احمد امین اور شیخ محمد عبدہٗ کا علمی ورثہ

ڈاکٹر دیلطف خالد ☆ ترجمہ :- محمود احمد غازی، رکن ادارۂ تحقیقات اسلامی

مستشرق ماکوم کر کا کہنا ہے کہ "ہم کو مصر میں ایسا کوئی شخص نظر نہیں آتا جو شیخ محمد عبدہٗ کے علمی ورثے کے نیڑ جانے پر نوحہ خواں ہو، اس کے برعکس ہر شخص اس قیمتی میراث کو اپنانے کا مدعی ہے۔" اس کی وجہ یہ ہے کہ شیخ کی اصلاحی مساعی کو بالعموم مصر کی جدید اسلامی فکری سرگرمیوں کا نقطۂ آغاز مانا جاتا ہے۔ انھوں نے کورانہ تقلید یعنی آباؤ اجداد کی پیروی میں تحفظ روایات کے نظریہ کو ترک کر کے باب اجتہاد از سر نو وا کرنے کا راستہ ہموار کیا اور اس طرح آزادئ افکار کے اصول کو قبول عام بخشا۔ تاہم عصر جدید کے متعدد اہم مسائل کا وہ کوئی واضح حل پیش نہیں کر سکے۔ ان کے بعض اقوال میں ایک حد تک ابہام پایا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعد میں آنے والے چند ترقی پسند مصلحین نے ان کے بعض افکار کو ایسے معنی پہنا دیئے جو لبا اوقات شیخ کے اصل مقصد سے بہت دُور جا پڑتے ہیں۔ دوسری طرف شیخ محمد عبدہٗ کے حد سے زیادہ محتاط طرز عمل سے بعض نرم رو مجددین نے ان کا اصل مفہوم سمجھنے میں غلطی کی اور انھوں نے عبدہٗ کے افکار و نظریات کو اس قدر محدود انداز سے پیش کیا کہ اس کے رجعت پسندانہ اثرات مترتب ہوئے، حالانکہ یہ طرز عمل ترقی پسندوں کے مذکورہ بالا میلانات کے خلاف ایک قسم کا ردِّ عمل تھا۔ مشہور پاکستانی مفکر ڈاکٹر فضل الرحمان اپنے ایک انگریزی مضمون "اسلام میں تجدد کے اثرات" میں لکھتے ہیں :-

"شیخ محمد عبدہٗ کی حریت پسندی کی جگہ مناقشہ انگیز رجحان نے لے لی، اور اسی دوران ان کی تعلیمات کا سیاسی عنصر خالص تعلیمی و فکری عناصر پر غالب آ گیا۔"

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

اگر ہم جامعۂ ازہر کے نام نہاد علماء اور خود ساختہ حامیانِ دینِ متین کی جذبات سے بھرپور نیم پختہ فکری تحریروں کی روشنی میں مسلمانوں کے مذہبی افکار کا جائزہ لیں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ عبدہٗ کی کامیابی کے اثرات ہنوز بہت دھندلے ہیں۔ شیخ محمد عبدہٗ کے زیادہ پُرجوش شاگردوں کی بڑی تعداد پیشہ ور شیوخ پر مشتمل نہیں ہے بلکہ ان کی بڑی تعداد جدید تعلیم یافتہ یا کم از کم جدید و قدیم دونوں علوم سے آراستہ اشخاص پر مشتمل ہے۔ ان سیاسی و معاشرتی مفکرین کے لئے، جن کے قائد مشہور کتاب "تحریر المراۃ" (آزادیٔ نسواں) کے مؤلف قاسم امین ہیں، محمد عبدہٗ کی تحریریں ہمت افزا ہی نہیں بلکہ ایک قسم کی تیغ و سپر رہی ہیں اور آئندہ بھی رہیں گی۔ یہ حضرات شیخ کے نام کو اپنے افکار و خیالات کی سند کے طور پر استعمال کرتے رہے اور اس طرح عوام میں ایسے جدید اصول کو مقبول بناتے رہے جن کو اس سے قبل عام لوگ سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔

جامعۂ ازہر کے فارغ التحصیل علماء میں ایک گروہ وہ تھا جس نے انقلابی عقلی تحریک کی قیادت کی۔ مثلاً علی عبدالرازق اور خالد محمد خالد، یہ حضرات نسبتاً قرآن کی تفسیر اور حدیث کی تشریح کرنے میں زیادہ آزاد تھے۔ دوسرا گروہ ان علماء پر مشتمل تھا جو علوم قرآن و حدیث کے بارے میں اپنی قدامت پسندی کی وجہ سے ممتاز تھے۔ مثال کے طور پر شیخ محمد رشید رضا اور شیخ محمد الغزالی وغیرہ۔ قدامت پسند علماء کا یہ گروہ خالص تقلید کے سلسلے میں الاستاذ الامام شیخ محمد عبدہٗ کے افکار و نظریات کا غلط استعمال کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ الاستاذ الامام کا اتباع کرنے والے ہر گروہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ امام کے نام کو استعمال کرے۔ اس لئے کہ امام کے افکار و نظریات کی کی تفسیر و توجیہ ہر فریق اپنے ترقی پسندانہ یا قدامت پسندانہ رویّہ کے تحت کر سکتا ہے۔

"یہ ایک تاریخی حقیقت ہے، جو مذہبی تاریخ اور مذہبی فہم کے لحاظ سے بنیادی اہمیت کی حامل ہے کہ مختلف اشخاص ایک ہی بات کے مختلف مفاہیم اخذ کر سکتے ہیں، لہذا بلاشبہ مذہبی امور کی تفسیر مرورِ ایّام کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے اور اس تبدیلی سے لوگوں پر اس کے اثرات میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اس کے باوجود ان دونوں فریقوں کے مابین اختلافات سے جو بسا اوقات بہت ہی شدت اختیار کر لیتا ہے ہمارے ذہن میں ایک نہایت اہم سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیا شیخ محمد عبدہ کے

افکار کی اس کھینچ تان اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اختلافات کو واقعی ان کی میراث کی حفاظت اور بقاء کا نام دیا جا سکتا ہے؟ تقریباً تمام ممتاز مفکرین ماکس ہورتن، چارلس ایڈمس، ہملٹن گب، فضل الرحمٰن، ماکوم کر اور لے ایم ایچ مزید کی رائے میں یہ اختلافات فی الحقیقت شیخ محمد عبدہٗ کی میراث کی بقاء اور حفاظت ہی ہے (یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب ہوگا کہ پیش نظر مطالعہ مصری انقلاب سے قبل اور انقلاب کے تین سال بعد تک کی مدت پر مشتمل ہے، اس مطالعہ میں بعض جدید ترین تبدیلیوں سے بحث نہیں کی گئی ہے) ہم یہ سوال کرنے میں بھی حق بجانب ہیں کہ شیخ محمد عبدہٗ کا اتباع کرنے والے ان دو انتہائی مختلف الرائے گروہوں میں سے کسی گروہ نے ان کے غیر واضح نظریات کی تشریح و توضیح کا کام سرانجام دیا ہے؟ نیز کیا الاستاذ الامام کے افکار و خیالات پر ایک ہی گروہ کی اجارہ داری خود امام کی میراث کے ساتھ زیادتی کے مترادف نہیں ہے؟

ایلی قدوری نے اپنی کتاب 'افغانی اور عبدہٗ' میں اس سوال کا جواب حریت پسندوں کی انقلابی جماعت کے حق میں دینے کی سنجیدہ کوشش کی ہے، تاہم ایلی قدوری کی اس کتاب کی بنیاد بیشتر عبدہٗ کے ملفوظات اور افغانی کے نام ان کی مراسلت پر ہے۔ پھر جن امور کو وہ الاستاذ الامام کی آزاد فکر کی دلیل سمجھتا ہے وہ ان لوگوں کے جذبات کی تشفی نہیں کرتے جو تصوّف کو اپنی تمام اقسام کے ساتھ اسلام کا جزو لاینفک سمجھتے ہیں۔ چند تاریخی مثالوں کا سہارا لے کر قدوری وحدۃ الوجود کی نہ صرف ایک ایسی تعبیر پیش کرتا ہے جو دین سے بالکل منحرف معلوم ہوتی ہے بلکہ وہ اپنے اخذ کردہ نتیجہ کی صحت پر کوئی دلیل بھی پیش نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے نظریات میں موافقت و مطابقت پیدا کرنے کا کارنامہ مشہور آفاق عالم شاہ ولی اللہ اور بعد میں ان کے افکار کے سرگرم مبلغ عبیداللہ سندھی نے انجام دیا۔ جب ہم پندرھویں اور انیسویں صدی کی درمیانی مدّت کی اسلامی فکر کی روشنی میں شیخ محمد عبدہٗ کے افکار، ان کی تعبیرات اور اسالیب کا بغور و امعان مطالعہ کرتے ہیں تو قدوری کے خیالات بے بنیاد معلوم ہوتے ہیں۔

اسلامی فکر کی تجدید میں شیخ محمد عبدہٗ نے خصوصیت سے اس امر کی کوشش کی کہ اس وسیع خلیج کو پاٹ دیں جو روایتی مشرقی علوم اور بیرونی دنیا سے درآمدہ جدید عقلیت پسندی کے مابین قائم ہو گئی تھی۔ جب ہم شیخ محمد عبدہٗ کی ان تصانیف کا بغور جائزہ لیتے ہیں جو ان کے شاگردوں کی

طرف سے کیے جانے والے دعاوی سے متعلق ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ مصطفیٰ عبدالرازق۔ جنھوں نے اپنے استاذ کے رسالہ کا فرانسیسی ترجمہ کیا ہے۔۔ اس تجدیدی تحریک میں اپنے استاذ کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ پروفیسر چارلس ایڈمز اور پروفیسر ہملٹن گب کا کہنا ہے کہ اسلامی روایات پر سختی سے قائم ہونے کے باوجود شیخ مصطفیٰ عبدالرازق اپنے گراں قدر استاذ کی جانشینی کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ شیخ مصطفیٰ عبدالرازق نے نوجوان طالب علم احمد امین (۱۸۷۲ء - ۱۹۵۴ء) کی نہایت شفقت سے سرپرستی کی۔ ہونے والا یہ نوجوان استاذ اور مصنف (احمد امین) شیخ مصطفیٰ عبدالرازق کی رہائش گاہ پر منعقد ہونے والی 'محفل دانشوراں' میں اکثر جایا کرتا تھا۔ احمد امین نے اپنی نوجوانی کے دوران ازہر کے زمانۂ طالب علمی میں صرف دو مرتبہ شیخ محمد عبدہٗ کا نام سنا تھا لیکن اب شیخ مصطفیٰ عبدالرازق کی مصاحبت میں اس کو شیخ کے افکار و نظریات سے بخوبی آگاہ ہونے کا موقع مل گیا۔ جرمن مستشرق بابر یوطانس کی رائے میں مذہب کی توضیح و تشریح کرنے میں شیخ مصطفیٰ عبدالرازق اور احمد امین کا طریقۂ کار ایک دوسرے سے مماثل ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ دونوں اسلام کی تعبیر ایسے الفاظ میں کرتے ہیں جن کی اصل فرہنگِ اسلام کے بجائے یورپی حریت پسندوں کی ڈکشنری میں ملتی ہے۔

شیخ محمد عبدہٗ اور شیخ مصطفیٰ عبدالرازق کے نقش قدم پر چلتے ہوئے احمد امین نے اس امر کی کوشش کی۔۔ اور طٰہٰ حسین کے خیال میں اپنی اس کوشش میں وہ کامیاب بھی رہے۔ کہ جدید جامعات سے فارغ ہونے والے طلباء کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنے دین و ایمان میں کسی قسم کے زیاں کا خوف کیے بغیر اپنی تعلیمی سرگرمیاں جاری رکھ سکیں۔ احمد امین کو شیخ محمد عبدہٗ کی صحیح جانشینی کے دعوے کا سب سے زیادہ حق دار قرار دینے کے لئے ہمارے پاس ایک عام معیار یہ ہے کہ وہ اپنے تمام معاصرین میں 'اسلامی اعتدال' یا لبنانی عالم حسن صعب کے الفاظ میں راستہ کے 'وسط' میں چلنے والوں'، کی سب سے بہتر مثال ہے۔

درمیانی راستہ اختیار کرنے والا شخص ایک ایسے ذہن سے قرآن کی تفسیر کرتا ہے جو کلاسیکی اسلامی ثقافت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہو اور جدید یورپی تمدن کے اثرات سے بھی متاثر ہو گیا ہو یا پھر ایک ایسے ذہن سے جو بیک وقت کلاسیکی اور جدید تصورات سے آگاہ ہوتا ہے۔ احمد امین نے

بھی سید جمال الدین افغانی اور شیخ محمد عبدہٗ کا اتباع کرنے کی کوشش کی اور اسلام کو ایک عقلی مذہب ثابت کیا۔"

تاہم احمد امین کی مرکز پسندی کا مصدر روحید شیخ مصطفیٰ عبدالرازق ہی نہیں ہیں۔ اگرچہ احمد امین کی شخصیت کی تعمیر میں اس کے خانگی ماحول کا حصہ بھی کم نہیں۔ لیکن اس نے اپنا فکری مقام خود اپنے اختیار اور کامل یقین کے ساتھ حاصل کیا ہے۔ اس کی فکری افتادِ طبع نے اس کو اپنے زمانے کے مصر میں پائے جانے والے متحارب افکار کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کر دیا۔ اس کی دو کتابوں "مبادیات فلسفہ" اور "کتاب اخلاق" پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر اے ایم ایچ مزید — لکھتا ہے کہ احمد امین کا فکری رجحان شیخ محمد عبدہٗ کے تلامذہ کے انتہا پسند متجدد گروہ ہی کا عطا کیا ہوا ہے۔ آگے چل کر پروفیسر موصوف لکھتا ہے :-

"ان دونوں کتابوں کے عنوان ہی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ احمد امین اُن دِنوں اپنی فکری ترقی میں احمد لطفی السید کے خیالات سے بیحد متاثر ہوا جو اس زمانہ میں جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے سرخیل تھے۔ شیخ محمد عبدہٗ کے ایک رفیق کار کی حیثیت سے احمد لطفی السید نے اپنے عظیم مصلح دوست کی فکری قیادت کو سنبھال لیا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب متعدد تعلیمی اور نظریاتی مسائل جو مصر کو ایک آزاد ریاست بنانے سے متعلق تھے، حل کئے جا رہے تھے۔"

پروفیسر مزید کی یہ رائے کافی حد تک صحیح ہے لیکن ہم اس کو کلی طور پر تسلیم کرنے سے قاصر ہیں، اس لئے کہ احمد امین کی خود نوشت سوانح عمری اور اس کے دوستوں اور رفقاء کے بیانات سے ہمیں کچھ اور پتا چلتا ہے۔ چنانچہ احمد امین کی یادگار کے موقعہ پر شائع ہونے والی کتاب "احمد امین کی کہانی، اپنی اور دوسروں کی زبانی" میں ہم دیکھتے ہیں کہ آزاد خیال وطن پرست لطفی السید کے ساتھ تعاون اور اشتراک عمل کے باوجود وہ اسلامیات کا ایک سچا علمبردار تھا اور اسی لئے اس کو السنّی بھی کہا جانے لگا۔ اگرچہ اس کی روائیت پسندی بالتدریج تصوف کی انفرادیت میں تبدیل ہو گئی۔

اس سلسلہ میں مناسب ہو گا کہ ہم مفتی محمد عبدہٗ اور قاضی احمد امین (۲۶ - ۱۹۲۱ء) کی زندگیوں کے مماثلی حالات کا ذکر کریں۔ اس موقع پر دُور دراز مماثلتیں بیان کرنا ہمارا مدعا

نہیں ہے بلکہ ہم ان جدید مسلم مفکرین کے فکری ارتقاء کا دائرۂ عمل بیان کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے مذکورۂ ذیل تقابل سے ہم کو احمد امین کے فکری ارتقاء اور اس کے حدود سے آگاہی حاصل ہو گی۔ احمد امین کی شیخ محمد عبدہٗ کے ساتھ مماثلت اس کے تعلیمی دور کی مرہونِ منت ہے۔ اگرچہ اس کا تعلق شیخ محمد عبدہٗ کے بعد آنے والی نسل سے ہے لیکن اس کی تعلیم و تربیت اس نہج پر نہیں ہوئی جس نہج پر اس کے زمانے کے دوسرے تجدد پسندوں کی ہوئی تھی۔ تاہم اس نے قدامت پسند ازہریوں کے یک طرفہ مسلک کی سختی سے پابندی نہیں کی۔ وہ ایسے حالات اور ایسے ماحول میں پروان چڑھا جس کی بیشتر اہم تفصیلات شیخ محمد عبدہٗ کے حالات سے مماثل تھیں۔

محمود تیمور نے اپنے مقالے "احمد امین کی تصویر" میں اس کے متعلق جو کچھ کہا ہے، وہ ہو بہو شیخ محمد عبدہٗ پر صادق آتا ہے۔ محمود تیمور کہتا ہے: "یہ ایک انتہائی حیران کن امر ہے کہ ایک شخص جس نے ایک نہایت قدامت پرستانہ ماحول میں پرورش پائی ہو وہ اپنے بل بوتے پر ترقی کرتے کرتے آزادی افکار اور آزادی تحقیق کا نہ صرف داعی بن جائے بلکہ خود بھی فکر کے نت نئے افق تلاش کرنے میں سرگرم رہے۔

شیخ محمد عبدہٗ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے احمد امین نے سعی بسیار کے بعد اپنی ذات میں ہر دو نظامہائے تعلیم کو یکجا کر لیا۔ احمد کے لئے یہ کام دوسروں کی بہ نسبت سہل تھا، اس لئے کہ اس نے قدیم علوم کی تعلیم ان جدید اداروں سے حاصل کی جو شیخ محمد عبدہٗ کی اصلاحی کوششوں کے نتیجے کے طور پر قائم ہوئے تھے۔ اس کے بالمقابل تجدد پسندوں کے افکار سے اس نے مدرسۃ القضاء میں پندرہ سال رہ کر آگاہی حاصل کی۔

شیخ محمد عبدہٗ کی طرح احمد امین نے بھی اپنی ابتدائی تعلیم کُتّاب (پرائمری مدرسہ) میں حاصل کی۔ شیخ محمد عبدہ کی تعلیم و تربیت میں جو کردار شیوخ و اساتذہ نے ادا کیا تھا وہی کردار احمد امین کی تعلیم و تربیت میں اس کے والد نے گھریلو اسباق کے ذریعے ادا کیا۔ پندرہ سال کی عمر میں اس کو اس کی مرضی کے خلاف جامعہ ازہر میں داخل کر دیا گیا۔ جلد ہی وہ متعدد یورپی کتابوں کے تراجم سے روشناس ہو گیا۔ اس کے بعد سے اس نے جدید علوم کا دائرہ وسیع کرنے کا کوئی موقع فروگزاشت نہیں کیا۔ شیخ محمد عبدہٗ نے مغربی افکار تک براہ راست رسائی حاصل کرنے کی غرض سے فرانسیسی

زبان سیکھی تھی۔ احمد امین نے تیس سال کی عمر میں اسی مقصد کے لئے انگریزی زبان سیکھی۔ انگریزی میں معتد بہ قابلیت بہم پہنچانے کے بعد اس کے دل میں یہ زبردست خواہش پیدا ہوئی کہ جانفشانی سے حاصل کردہ علم کو تراجم کے لئے بروئے کار لائے۔ جس طرح شیخ محمد عبدہٗ نے اسپنسر کی کتاب "تعلیم" کا عربی میں ترجمہ کیا تھا، اسی طرح احمد امین نے راپوپورٹ کی کتاب "مبادیات فلسفہ" کو عربی میں منتقل کیا۔ شیخ محمد عبدہٗ نے جینوا یونیورسٹی سوئزرلینڈ میں دیئے جانے والے خطبات سے خیالات اخذ کئے اسی طرح احمد امین نے بھی قاہرہ کی جدید یونیورسٹی میں پڑھانے والے یورپی اساتذہ کے خطبات اور لیڈن اور بروسلز کے اجتماعات میں پڑھے جانے والے مستشرقین کے مقالات سے پورا پورا استفادہ کیا۔

شیخ محمد عبدہٗ اور احمد امین دونوں کو اجتماعی و عمرانی علوم اخلاقیات، تاریخ، فلسفہ اور تعلیم میں خاص دلچسپی تھی۔ اگرچہ فنون لطیفہ کی طرف شیخ محمد عبدہٗ کی بہ نسبت احمد امین فنون لطیفہ کی طرف زیادہ متوجہ تھے تاہم اس کی سرگرمیوں کا اصل محور مذکورہ بالا مضامین ہی تھے۔ یہ بات توفیق الحکیم اور احمد امین کے اختلافات سے واضح ہوجاتی ہے۔ توفیق الحکیم کے نظریہ آرٹ برائے آرٹ کو احمد امین نے سختی سے ردّ کر دیا۔

شیخ محمد عبدہٗ علماء کی اصلاح کی ضرورت پر زور دیتے تھے، وہ علماء کے روایتی نظاماتِ تعلیم کو جدید مغربی علوم کی مکمل واقفیت سے آراستہ کرنا چاہتے تھے۔ احمد امین نے اس مطالبہ کو آگے بڑھایا اور اعلان کیا کہ کامیاب اصلاحات کے نفاذ کے لئے یہ اوّلین شرط ہے۔ اگرچہ تجدّد کے بہت سے علمبرداروں نے اس سے قبل اس کی دعوت دی تھی لیکن احمد امین نے اس کو بڑی خوبی سے آگے بڑھایا اور اس کو اس طرح ایک اخلاقی قوتِ محرکہ کی شکل دے دی کہ اس کی نظیر ملنا دشوار ہے۔